۱۱؍جون ۲۰۰۲ء کی صبح ایک حساس پاکستانی سوچ رہا ہے کہ کیا اب کھونے کو ہمارے پاس کچھ بچ رہا ہے یا ۲۷۴ دنوں میں ہم 'شعور' کے ساتھ اپنے ''امریکی دوستی'' پر سب کچھ نچھاور کر چکے ہیں؟ کسی فرد یا کسی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ انفرادی یا اجتماعی کردار ہوتا ہے، اس کی اقدار ہوتی ہیں، حمیت و غیرت اُس کی پہچان ہوتی ہے۔

جہاں آج ہم کھڑے ہیں، اپنے قومی کردار کے کس پہلو پر ہمیں فخر ہے؟ اپنی حمیت و غیرت کے کس پیمانے پر ہمارا سر اونچا ہے؟ بجائے اِس کے کہ ہم اپنی ہٹ دھرمی، اپنی بزدلانہ پالیسیوں اور منافقت پر بارگاہِ ربّ العزت میں اشک ہائے ندامت کی نذر گزارتے، توبہ کے لئے سجدوں میں جھکتے، ہم اپنی حماقتوں پر فخر کرتے، اُسے ''اصولی موقف کی فتح'' قرار دیتے ہیں۔ یہ شرمناک ڈھٹائی کی بدترین مثال ہے۔

جب پرویز مشرف کے ذریعے افغانستان فتح کر لیا تو پاکستان فتح کرنے کے لئے بھارت کے ساتھ دفاعی معاہدے اور مشقیں، بھارت کو مضبوط و مستحکم دیکھنا، پاکستان کی طرف سے آنکھیں پھیرنا اس کا اصولی موقف ٹھہرا۔ کرہ ارض پر اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا اصولی موقف ہے۔ ہمارے مذکورہ موقف کو دلائل سے غلط ثابت کر دیں تو ممنون احسان ہوں گے۔

۱۱؍ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے حوالے سے، قرآن حکیم سے ایک مماثلت یا محض اتفاق ہے؟ کیا یہ قرآن کی پیش گوئی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی	۱۱ تاریخ	مہینہ ستمبر ۹واں	عمارت کی منزلیں	۱۱۰
قرآن حکیم کی سورہ توبہ	۱۱ پارہ	سورہ کا تسلسل ۹	آیت نمبر	۱۱۰

☆ ''اُن کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دِلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ ہاں! مگر اُن کے دل ہی اگر فنا ہو جائیں تو خیر اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں''

عمارت کی تباہی سے ان کے ردِ عمل میں جو کچھ ہوگا اس کا ذکر متصل بعد کی آیت نمبر ۱۱۱ میں موجود ہے جو افغانستان کی صورت حال پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

☆ ''بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کی اس بات کے بدلے خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر اللہ کا وعدہ سچا ہے جو توریت و انجیل اور قرآن میں کیا گیا ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ کا سچا کون ہے؟ تو تم اللہ سے اس خرید و فروخت پر خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے''

کیا ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا وقوعہ اور ردِ عمل کا قرآن کے الفاظ کے مطابق ہی ہم نے مشاہدہ نہیں کیا؟

پروفیسر خالد شبیر احمد (قسط نمبر:۵)

اکابر اسلام اور قادیانیت

رفتہ رفتہ حکیم نور الدین ریاست کشمیر کی درباری سازشوں میں بُری طرح ملوث ہوگئے اور بڑی ہوشیاری اور تندہی کے ساتھ انگریزی تسلط اور برطانوی مفاد کی نگہداشت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ راجہ امر سنگھ کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کر کے اسے اپنے دام فریب میں پھنسا لینے میں حکیم نور الدین پوری طرح کامیاب ہوگئے اور اُسے آمادہ کرلیا کہ وہ انگریزوں کی مدد سے اپنے بڑے بھائی مہاراجہ پرتاب سنگھ کے مقابلے میں اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر ریاست کے نظام پر کنٹرول حاصل کر کے کشمیر کے اندر انگریزی مفادات کی مکمل نگہداشت کا فریضہ اپنے ذمے لے۔ اس سازش میں حکیم صاحب کو کسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی کہ انگریزوں نے ریاستی امور کو سرانجام دینے کیلئے ایک انتظامی کونسل کے لئے مہاراجہ پرتاب سنگھ کو آمادہ کرلیا۔ جس کی صدارت اگرچہ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ تاہم اختیارات رفتہ رفتہ مہاراجہ کے ہاتھ منتقل ہوتے گئے جو اس کونسل کے ایک اہم رکن تھے جس کے ذمے ریاستی امور کی ذمہ داری تھی۔ بالآخر مہاراجہ پرتاب سنگھ پر جب سازش کھلی تو انہوں نے حکیم نور الدین کو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ریاست سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور یوں

''بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے''

کی مصداق کشمیر کو انہیں خیر باد کہنا پڑا۔

یہ چھوٹی سی کہانی قارئین کے سامنے اس لئے پیش کی گئی ہے کہ حکیم نور الدین جو قادیانیوں کے ہاں ایک اہم مقدس شخصیت ہے جسے قصر قادیانیت میں ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے۔ اس شخصیت کی ابتدائی زندگی کے خدوخال ابھر کر سامنے آجائیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ انگریزوں سے وفاداری کا جذبہ ان کے اندر ابتداء ہی سے موجود تھا۔ جس کا دور اقتدار میں یعنی قادیان کی گدی پر براجمان ہونے کے بعد اپنے عروج پر پہنچنا، ایک فطری امر تھا۔ اس کے علاوہ کشمیر کی اس درباری سیاست میں حکیم صاحب کے کردار سے یہ بات بھی واضح طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ سازشوں کے پروان چڑھانے میں انہیں قدرت نے وافر صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ جس کا اظہار حکیم نور الدین نے کشمیر کے شاہی دربار میں شاہی حکیم کی حیثیت میں بڑی کامیابی کے ساتھ کیا۔ گو انہیں بے عزت ہو کر وہاں سے نکلنا پڑا۔ تاہم انگریزوں کے ہاں ان کے احترام میں ضرور اضافہ ہوا۔ اُن پر انگریزوں کا اعتماد بڑھا۔ اور اس کے بدلے میں قادیانیوں نے انگریزی امداد حاصل

کر کے نہ جانے کتنے مفاد حاصل کئے اور آج تک کر رہے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی ہی کمائی ہے جو آج قادیانیوں کا موجودہ سربراہ مرزا طاہر لندن میں بیٹھے کھا رہے ہیں۔

مختلف حوالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکیم نورالدین کی مرزا غلام احمد کے ساتھ پہلی ملاقات ۱۸۸۱ء میں ہوئی اور بس ملتے ہی اُن پر فدا ہو گئے۔ اس ملاقات کے بعد بہت ہی کم عرصے میں حکیم نورالدین قادیانیوں کے ہاں ایک اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کی ایک وجہ تو ان کے علم و فضل کی دھاک، ان کے اجل حکیم ہونے کی شہرت، ان کا وہ سازشی ذہن جس کا وہ کشمیر میں ملازمت کے دوران مظاہرہ کر چکے تھے اور پھر سب سے بڑی بات ان کی مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ وفاداری کا جذبہ تھا، حکیم نورالدین بڑے انہماک کے ساتھ قادیانیت کے عقائد کے پرچار اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لئے مصروف ہو گئے۔ کئی کتابیں بھی تحریر کیں۔ جس میں قابلِ ذکر کتاب ''فیض الکتاب'' ہے، جس میں انہوں نے عیسائیت پر تنقید و تبصرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب مرزا غلام احمد کی فرمائش اور خواہش پر تحریر کی گئی تھی۔ رفتہ رفتہ حکیم نورالدین نے قادیانیوں کے ہاں بڑی شہرت اور عزت حاصل کر لی۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی موت پر قادیانیوں کی نگاہ حکیم نورالدین کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑی اور متفقہ طور پر انہیں قادیانیوں کا سربراہ منتخب کر لیا گیا۔ حکیم نورالدین ۱۳ رمارچ ۱۹۱۴ء تک یعنی اپنی موت تک اسی منصب پر فائز رہے۔ اس دوران زیادہ تر حکیم نورالدین قادیان ہی میں مقیم رہے۔ اور احمدی عقائد کی نشر و اشاعت انگریزوں کی اطاعت و فرمانبرداری اور یہودیوں ساتھ گہرے رابطے قائم کرنے کے فرائض کو انتہائی دیانت داری اور محنت کے ساتھ سرانجام دیا۔

قادیانیوں میں پھوٹ: حکیم نورالدین کی وفات سے تقریباً تین برس پہلے قادیانیوں کے درمیان اختلافات کے آثار نمودار ہوئے۔ قادیانی حضرات کا وہ گروہ جو اپنی علمی ذہانت کی وجہ سے تقریباً پورے ملک کے اندر متعارف تھا رفتہ رفتہ مرزا بشیرالدین محمود کے مزاج سے اس کی اخلاقی پستی اور تمام مسلمانوں کے خلاف انتہائی سخت مؤقف سے مطمئن نہیں تھا۔ اور در پردہ بشیرالدین محمود پر تنقید کرتا رہتا تھا۔ حکیم نورالدین ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے اس آویزش کو دیکھ رہا تھا اس نے مرزا بشیرالدین کی حمایت اور اس کے مخالف گروہ کی مخالفت کرنا شروع کر دی حکیم نورالدین بڑی اچھی طرح اس بات کو جانتا تھا کہ قادیانیوں کی اکثریت کی وفاداریاں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے کے ساتھ ہیں جو مرزائے قادیان کا بڑا چہیتا ہے اور جیسے مرزا غلام احمد نے خود اپنی حمایت کے ساتھ قادیانی گروہ میں وہ مقام دلایا ہے جس مقام کو حاصل کرنے کے بعد وہ آنے والے دور میں قادیانیوں کی سربراہی کا فریضہ احسن طور پر سرانجام دے سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم نورالدین کی قیادت قائم ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اس نے مرزا بشیرالدین کی حمایت میں اس واقعے پر بڑی خوبصورتی سے پردہ ڈال دیا کہ جس میں مرزا بشیرالدین پر کسی قانون کے ساتھ زنا کے ارتکاب کا الزام لگایا گیا تھا۔ اتنا سنگین معاملہ اس خوبصورتی سے دبا دیا گیا کہ دیکھنے اور سننے والے حیران و ششدر رہ گئے۔ حکیم نورالدین کے اس کردار سے مرزا بشیرالدین

اوراس کے خاندان مقتدر افراد تو حکیم نورالدین کے اور قریب ہو گئے لیکن صدر انجمن احمدیہ جس کے ہاتھ میں قادیانی گروہ کے تمام انتظامی امور کو سرانجام دینے کی ذمہ داری تھی وہ مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ ساتھ حکیم نورالدین کے بھی خلاف ہو گئے۔اوراس طرح قادیانی گروہ مستقل بنیادوں میں مزید دو گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ایک طرف حکیم نورالدین مرزا بشیر الدین محمود اور اس کے خاندان کے مقتدر افراد اور دوسری جانب خواجہ کمال الدین ،مرزا یعقوب بیگ ،مولوی صدرالدین اور ڈاکٹر محمد حسین بڑے معروف ہیں۔۱۹۱۴ء میں جب حکیم نورالدین کی موت واقع ہوئی یہی اختلاف مزید اُبھر کر سامنے آیا۔ایک پارٹی نے مرزا بشیر الدین کے ہاتھ پر دست تعاون رکھ دیا تو دوسرے گروہ نے انسے قادیانیوں کا سربراہ ماننے سے انکار کر دیا۔اوراس کی جگہ مولوی محمد علی ایم۔اے(ایڈیٹر''ریویو آف ریلیجیس'' کو اپنا سربراہ بنایا اور یوں قادیانی گروہ مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ دھڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔محمد علی ایم۔اے نے چونکہ اپنے تمام دفاتر اور ادارے قادیان سے لاہور منتقل کر لئے اور قادیان کی جگہ انہوں نے لاہور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا اس لئے یہ گروہ ''لاہوری'' پارٹی کے نام سے مشہور ہو گیا۔جبکہ مرزا بشیر الدین نے قادیان کو ہی اپنی جماعت کا مرکز قرار دیا اس لئے دوسرا گروہ'' قادیانی گروہ'' کے نام سے منسوب ہو گیا۔

قادیانیوں کے لاہوری گروہ نے تمام مسلمانوں میں اپنے لئے مقام حاصل کرنے اور قادیانی کی مخالفت کرنے کے لئے اگرچہ کئی ایسے کام کئے جو بظاہر نہ صرف قادیانیوں کے ضمیر اور مرزا غلام احمد کے موقف اور مشن کے خلاف تھے تاہم یہ گروہ مسلمانوں میں اپنا مقام حاصل کرنے میں انتہائی ناکام رہا۔ذیل میں ایسے امور کی نشاندہی کی جاتی ہے جنہیں لاہوری گروہ نے اپنے عقائد اور اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور جس کے لئے انہوں نے اپنے تبلیغی امور کو مخصوص کر لیا تھا۔

۱)۔مرزا غلام احمد نبی نہیں بلکہ مصلح موعود ہیں۔

۲)۔تمام مسلمان جو ان کی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے کافر نہیں ہیں۔

۳)۔مرزا غلام احمد نے دعوۂ نبوت نہیں کیا اس لئے نہ ہی تو وہ کافر ہیں اور نہ ہی انہیں کسی حیثیت میں بھی تسلیم کرنے والے ہی کافر ہیں۔

۴)۔مرزا بشیر الدین کے اس مذہبی عقیدے کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے اور جو شخص بھی اس کی بیعت کی دس شرائط کو تسلیم نہیں کرتا وہ کافر ہے۔

بہر حال یہ اختلاف ان کے گھر کا اختلاف ہے جس سے ہم مسلمانوں کا نہ تو سرے سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی سروکار، ہماری تحقیق کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوہ نبوت مسلمہ امر ہے جو دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔اس کے علاوہ مرزا غلام احمد کی تحریروں سے عظمت انبیاء جیسے اہم بنیادی عقیدۂ اسلام کے خلاف بغاوت ثابت ہے خداوند تعالیٰ ،حضور اکرم ﷺ کی توہین ،انبیاء اور صحابہ

کرامؓ کی توہین وتذلیل کا ارتکاب اس کے کفر کے لئے کافی ہے۔ اگر مرزا غلام احمد دعوۂ نبوت نہ بھی کرے تو بھی ایسی خلافِ اسلام تحریر ہوان کے کفر کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے ایک شخص جو سرے سے ہی مرتد اور کافر ہوگیا۔ مسلمانوں کیلئے مصلح موعود اور مجدد کیسے ہوسکتا ہے؟ اب جو بھی مرزا غلام احمد قادیانی کو مسلمان کہتے ہوئے نبی یا مصلح مانتا ہے اس کا نہ ہی تو مسلمانوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اسلام سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قادیانیوں کے لاہوری گروہ نے ''ٹریپولی'' اور ''بلقان'' کی جنگوں میں ہندوستانی مسلمانوں کے اضطراب اور بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے برطانوی حکومت کے خلاف اجتماع میں حصہ لیا اور ترکی کی حمایت میں صدر الدین، خواجہ کمال الدین، مرزا یعقوب بیگ نے اخباری بیانات اور مضامین بھی لکھے تو مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے میں تو بری طرح ناکام ہوگئے لیکن دوسری طرف لاہوری گروہ کا رویہ چونکہ قادیانی گروہ کی برطانیہ نواز حکمت عملیوں کے صریحاً خلاف تھا اس لئے ان کی نگاہ میں لاہوری گروہ، مردود و مرتاب ہوگیا، جیسا کہ قادیانیوں نے ۱۹۱۹ء میں باقاعدہ لاہوری جماعت پر فرد جرم عائد کرتے ہوئے انہیں مرتد اور واجب القتل قرار دیا تھا۔ جس کے بعد یہ دونوں گروہ آج تک ایک دوسرے کے قریب نہ ہوسکے۔ اس سارے قصے میں ہماری دلچسپی تو فقط اس قدر ہے کہ یہ کیسا پیغمبر ہے؟ کہ جس کے ماننے والے اس بات کا ہی فیصلہ نہیں کرسکے کہ اس کا دعویٰ کیا تھا۔ پھر مسلمانوں سے وہ کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟ کہ ان کی باتوں پر توجہ دیکر انہیں غور سے سنیں ،جبکہ ان کا یہ اختلاف ہی مرزا غلام احمد کے جھوٹے ہونے پر بطور دلیل کافی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تو ان کے لئے ہے جن کے نصیب میں نجات اُخروی لکھ دی گئی ہو اور جو اللہ کے ہاں ازلی اور ابدی ذلت کے مرتکب نہ ہو چکے ہوں۔

حکیم نورالدین کے یہودیوں سے رابطے : کتاب کے پہلے باب میں یہ بات وضاحت کیساتھ بیان کردی گئی ہے کہ قادیانی تحریک ایک سیاسی تحریک ہے جو مذہب کے لبادے میں انگریزی استعماری ایما اور امداد سے برپا کی گئی اس گروہ کی بنیادی غرض وغایت انگریزی سامراج کی ضرورتوں کو پورا کرنا تھا۔ دنیائے اسلام میں تفرقہ ڈال کے ان کے ملی تشخص کو مجروح کرنے کے علاوہ ترکی عثمانی ریاست ختم کرکے اس کی جگہ دنیا میں یہودیوں کی سیاسی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لئے فلسطین کے اندر یہودی ریاست کا قیام بھی سامراجی ضرورت تھی۔ جسے پورا کرنے کے لئے قادیانی کردار بالکل واضح ہے۔ اس حقیقت کے پس منظر کو مزید اُجاگر کرنے کیلئے'' قادیانیوں سے اسرائیل تک'' مصنف ابومدثرہ کا ایک اہم اقتباس پیش خدمت ہے

☆اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر مصنف کتاب تحریر کرتے ہیں:

''مرزا غلام احمد کی تحریک کی ابتداء اسے کے مزاج اور اس کی حقیقی غرض وغایت سے شناسائی حاصل کرنے کیلئے ہمیں ایک تو برطانوی سامراج کی سیاسی پالیسی پر نظر رکھنی ہوگی، دوسرے یہودی تحریک قومیت۔ صیہونیت ۱۸۹۷ء کے رہنماؤں اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے روابط کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس پس منظر میں قادیانی تحریک کے کردار کا مطالعہ کرتے

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سول سروس کے یہودی افسر اس تحریک کی کامیابی کے لئے ہر سطح پر کوشاں تھے ،دراصل وہ ہر ایسی تحریک کے قیام اور اس کی سرپرستی کے لئے بیتاب تھے جو برطانوی سامراج کے وسیع پسندانہ اغراض اور صیہونیت کے سیاسی عزائم کے دوہرے مقصد کو پورا کرنے کا اہل تھا۔ان دونوں طاقتوں کا بڑا نشانہ ترکی کی عظیم سلطنت تھی جس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہی علاقائی توسیع پسندی اور فلسطین میں یہودی ریاست کے خواب کو پورا کیا جا سکتا تھا۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں ''رسل اوتھ بل پاس ہونے کے بعد یہودی برطانیہ کی سیاست پر چھائے جا رہے تھے اور سول سروس میں اعلیٰ عہدے حاصل کرنے برطانوی نو آبادیات میں قدم جما رہے تھے۔ جدید سیاسی افکار نے یہودی اور عیسائی مذہبی امتیازات کو ختم کر دیا تھا۔۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۲ء تک برطانیہ کے تین وزیر اعظم سالسبری ،گلیڈ ن سٹون ،اور روز میری میں سے اوّل الذکر یہودی تھا اور دوسرے دو یہود نوازی اور ترک دشمنی میں اپنی مثال آپ تھے۔تحریک صیہونیت (۱۸۹۷ء) کی بنیاد دکھ کر تھیوڈر مرزل نے جب عثمانی حکومت کے قبضے سے فلسطین کو آزاد کرانے کا اعلان کیا تو برطانیہ نے صیہونی لیڈروں سے مضبوط روابط قائم کر لئے اور ایک مشترکہ لائحہ عمل مرتب کرنے کیلئے مذاکرات کا آغاز کیا۔ یہودی ریاست کے سوال پر برطانوی سیکرٹری نو آبادیات جوزف چیمرلین اور ہرزل کی طویل ملاقاتیں ہوئیں۔جس کے نتیجہ میں برطانیہ نے یوگنڈا میں یہودی ریاست کی تشکیل کی تجویز پیش کی لیکن یہودی برادری نے اسے مسترد کر دیا (انسائیکلو برٹینیکا ریوزنم) ۱۹۰۲ء میں دنیا کے تمام ممالک میں یہودیوں نے صیہونیت کے پروگرام کے مطابق یہودی ریاست کے قیام کے لئے وسائل کو بروئے کار لانے کی جدو جہد کو تیز کر دیا۔اس کی بڑی وجہ برطانیہ میں آرتھر جے بالفور کا وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہونا تھا۔بالفور سابق وزیر اعظم برطانیہ سالسبری کا بھتیجا تھا۔اور اس کی لبرل یونیٹ وزارت (۱۸۸۶ء تا ۱۸۲۹ء) میں چیف سیکرٹری کے عہدہ پر فائز رہ چکا تھا۔یہ وہی بدنام زمانہ یہودی ہے جو'' اعلان بالفور'' (۱۹۱۷ء) کا مجوّز تھا۔اپنے دورِ وزارت (۱۹۰۲ء تا ۱۹۰۵ء) اس نے صیہونیت کے فروغ کے لئے زبردست تحریک چلائی اور دنیا کی تمام صیہونیت نواز تحریکوں کی بھرپور مدد کی۔۱۹۰۵ء میں سر بیز مان وزیر اعظم برطانیہ بنا۔فارن سیکرٹری سر ایڈ ورڈ گرے اس کا معتمد تھا۔انہوں نے اپنے پیشروؤں کی ترک دشمن حکمت عملی پر پورا پورا عمل کیا۔اس کے عہد میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن (۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۶ء) ہندوستان کو بیس بنا کر مشرق وسطیٰ میں سامراجی سازشوں کی تکمیل میں سرگرم رہے۔ یہ تاریخی حقیقت بھی منظر عام پر آ چکی ہے۔کہ یہود کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے ہندوستان کی سول سروس کے بعض یہودی افسر بھی سرگرم عمل تھے جو''اینگلو اسرائیلی ایسوسی ایشن'' لندن کے اراکین تھے اور مختلف فوجی اور انتظامی عہدوں پر فائز تھے جن پر فوج کے جنرل اور گورنر تک کے عہدے شامل تھے یہ لوگ صیہونیت کے عمومی مقصد کی تکمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ (سوشولر جیکل ریویو لندن مارچ ۱۹۶۸ء۔مقالہ از جے ولسن'')

اس تحریر کی روشنی میں مسلمانوں پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ترکی کی عثمانی ریاست کا قیام یہودی اور عیسائی

طاقتوں کی نظر میں کس طرح کھٹک رہا تھا وہ اس ریاست کو تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرکز تصور کرتے ہوئے اسے تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔تاکہ صیہونی ریاست کے قیام کو ممکن بنایا جاسکے۔ برطانیہ کی طرف سے یوگنڈہ میں یہودی ریاست کی تشکیل کی تجویز کو یہودیوں نے محض اس لئے مسترد کر دیا تھا کہ ان کی نگاہیں فلسطین پر جمی تھیں وہ فلسطین کو اپنا وطن گردانتے تھے اور دوبارہ فلسطین میں ہی اسرائیلی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام اور ترکی کی سلطنت عثمانیہ کا اختتام اس وقت کے حالات میں دشمنانِ اسلام کے اولین مقاصد تھے جسے وہ ہر حال میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔اس مقصد کے حصول کے لئے قادیانی کتنے متحرک اور فعال تھے اس کا اندازہ لگانے کے لئے ذیل میں چند حقائق نذر قارئین ہیں۔

حکیم نورالدین نے تو اپنے دورِ اقتدار میں یہودیوں کے ان مقاصد کو آگے بڑھایا ہے اصلی کام کا آغاز تو خود مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے دور سے ہی ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں قادیان مرزا غلام احمد کی خلافِ اسلام اور خلافِ ترک سلطنت سرگرمیوں کی وجہ سے تخریب کاری اور سازشوں کا مرکز بن چکا تھا۔ جہاں سے پورے بلادِ اسلامیہ کے اندر انگریزوں کی اطاعت ،سلطنت عثمانیہ کی مخالفت اور جہاد کی مذمت میں لٹریچر بھیجا جاتا تھا۔مرزا غلام احمد نے سوڈان میں ہندی سوڈانی کی مخالفت کے لئے غلام نبی قادیانی کی سربراہی میں ایک مشن مصر بھیجا،اسی طرح عراق میں ترکی حکومت کے خلاف ایک عرب قادیانی جس کا نام عبداللہ تھا مامور کیا گیا۔اسی طرح وسط ایشیاء زاریوں کے خلاف برطانوی جاسوس کیلئے کئی مشن روانہ کیے گئے۔جن میں مولوی قطب الدین قادیانی،میاں جمال الدین قادیانی اور مرزا خدا بخش قادیانی اچھے خاصے معروف نام ہیں۔افغانستان ایک مدت تک قادیانی جاسوسوں کی زد میں رہا۔مولوی عبداللطیف قادیانی اس ضمن میں ایک نمایاں نام ہے جسے اس وقت کے حکومتِ افغانستان نے اس کے مرتد ہونے کی بنا پر سنگسار کردیا تھا۔ترکی کی حکومت مسلمانوں کے اتحادِ ملی کا نشان بن چکی تھی۔مرزا غلام احمد کی تنقید اور مذمت کا خصوصی نشانہ بنی رہی۔مرزا غلام احمد بڑے تسلسل کے ساتھ ترکی کی تباہی اپنے الہاموں اور پیش گوئیوں میں بیان کرتے رہے۔

۱۸۹۷ء میں جب ترک قونصل کراچی سے لاہور آئے تو مسلمانوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔لاہور کی قادیانی جماعت کی طرف سے مرزا غلام احمد کی طرف سے ترک قونصل کو ملاقات کی دعوت دی گئی۔مسلمان ذرا مطمئن ہوئے کہ شاید خلافت عثمانیہ کے نمائندہ سے مرزا کی ملاقات سے مرزا غلام احمد کی ترک مخالف سرگرمیوں میں کچھ کمی آجائے گی لیکن مرزا صاحب نے اپنی ملاقات میں انگریزوں اور یہودیوں کی حمائت اور ترکوں کی مخالفت کا اعادہ کیا تو ترک قونصل ناراض ہوکر واپس چلے گئے۔اُسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو مذہبی رہنما کہتا ہے درحقیقت انگریزوں کا ایجنٹ اور گماشتہ ہے۔جو اپنے قول اور فعل سے اپنے آپ کو مسلمانوں کا ازلی وابدی دشمن ثابت کر چکا ہے۔مذاکرات ختم ہونے پر مسلمانوں کو ان مذاکرات کے نتائج کے بارے میں فطری طور پر تجسس تھا۔چنانچہ لاہور کے ایک اخبار ''ناظم الہند'' نے

لاہور سے ترکی قونصل کے ساتھ رابطہ قائم کر کے مرزا صاحب سے ان کی ملاقات کے بارے میں جب استفسار کیا تو انہوں نے صاف صاف الفاظ میں مرزائے قادیانی کی مذمت کی اور کہا کہ یہ شخص فریب کاری کا مجسمہ ہے۔ جس کی رگ رگ میں اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی دشمنی کا جذبہ موجزن ہے اس سے زیادہ کچھ کہنا کارِ فضول ہے۔ چنانچہ ترکی قونصل کا یہ خط جب اخبار میں چھپا تو مسلمان اس پر سیخ پا ہو گئے اور انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی بڑی شدت کے ساتھ مذمت کر کے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد مرزا صاحب ایک اشتہار کے ذریعے اپنے خیالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''میرے نزدیک واجب التعظیم اور واجب الاطاعت اور شکر گزاری کے لائق گورنمنٹ انگریز ہے جس کے زیر سایہ امن سے یہ آسمانی کارروائی کر رہا ہوں۔ ترکی سلطنت آج کل تاریکی سے بھری ہوئی ہے اور شامتِ اعمال بھگت رہی ہے۔ اور یہ ہرگز ممکن نہیں کہ اس کے زیر سایہ رہ کر ہم کسی راستی کو پھیلا سکیں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ سلطان کی سلطنت کی حالت ٹھیک نہیں اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ اس کا انجام اچھا نہیں۔ یہی وہ باتیں تھیں جو سفیر مذکورہ کو اپنی بدقسمتی سے بری معلوم ہوئیں ہیں (تبلیغ رسالت جلد ہشتم، مؤلفہ میر قاسم علی قادیان)

مرزا غلام احمد کی ترک دشمنی ان کی وفات ۱۹۰۸ء تک جاری رہی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کسی قسم کی کمی کی بجائے بلا کی شدت ہی پیدا ہو گئی۔ ہندوستان کے مسلمان جو دل و جان سے ترکی کی سلطنت عثمانیہ کے ساتھ تھے مرزا کی اس حکمت عملی کو بخوبی سمجھتے تھے اور مرزا کی اس برطانیہ نواز ترک دشمن حکمت عملیوں پر کڑی تنقید بھی کرتے تھے۔ چنانچہ جہلم سے شائع ہونے والے مسلمان اخبار ''سراج الاخبار'' نے اپنے خصوصی مقالے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا:

''مرزائے قادیان کے جھوٹے دعوے اور انبیاء علیہم السلام کی نسبت کی توہین آمیز تحریریں اور مدت سے مسلمانوں کی سخت دل آزاری کا باعث ہو رہی تھیں مگر اب کی مرتبہ ۲۴ مئی کو ایک اشتہار ''حسین کامی سفیر سلطان روم'' کے عنوان سے شائع کیا ہے اس سے تو ہندوستان کے ہر طبقے کے مسلمانوں کو انتہائی قلق ہوا ہے۔ اس اعلان سے صریحاً ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شخص صرف علمائے امت ہی کا دشمن نہیں بلکہ ملت اسلام اور روئے زمین کے مسلمانوں کا جانی دشمن ہے اور جس طرح انگلستان میں گلیڈسٹون اسلام اور ترکی سلطنت کا مخالف ہے اسی طرح ہندوستان میں یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کا دشمن ہے حیف ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین جو روئے زمین کے مسلمانوں کا واجب الاحترام مقتدیٰ ہے اور جو حرمین شریفین کا محافظ ہے اس کی نسبت گلیڈسٹون کا یہ بے باک مقلد ایسی ہی دریدہ دہنی کرتا ہے۔

اخبار بین طبقہ جانتا ہے کہ مرزا قادیان نے جو کچھ لکھا ہے یہ وہی ہے جو گلیڈسٹون اور اس کے یورپین پیرو، ترکی سلطنت کی نسبت لگا کرتے ہیں۔ قادیان کے اس قول سے کہ میں نے سفیر کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ